

عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں بیت المال کا تصور اور اس کی کارکردگی

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی

بیت المال اسلام کے اقتصادی نظام کی مرکزی کڑی ہے۔ اسے اپنے اعلیٰ مقصد اور کارآمد مشاغل کی وجہ سے اسلام کے معاشی اداروں میں خاص اہمیت و وقعت حاصل ہے۔ بیت المال ابتدائاً وسائلِ ریاست کے جمع و تحفظ اور ان کے مصارف کی نگرانی کے لیے قائم کیا گیا تھا لیکن تہذیب و تمدن کی ترقی اور نظم و نسق میں وسعت کے ساتھ اس کے مشاغل میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ آمد و خرچ کی نگرانی کے ساتھ ساتھ یہ ریاست کی اقتصادی پالیسی کو عملی جامہ پہنانے اور اس کے فلاحی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا اہم و موثر وسیلہ بن گیا۔ اور حکومت کی انتظامی ضروریات کی تکمیل، فقراء و مساکین کی کفالت، لاوارث جائیداد و اموالِ یتیمی کی نگہداشت، امانت و قرض کے معاملات کی انجام دہی، ایک مقام سے دوسرے مقام تک رقوم کی منتقلی اور زرعت و تجارت و صنعت کی ترقی کے اہتمام جیسے امور اس کے دائرہ کار میں شامل ہو گئے۔

جدید دور کے ایک عرب مورخ نے بجا طور پر بیت المال کو موجودہ زمانہ کی مالی وزارت سے تعبیر کیا ہے جس کی آمدنی کے مختلف (لیکن متعین) ذرائع ہوتے ہیں اور جس کے مصارف کی جہات بھی مختلف ہوتی ہیں۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کے تصور بیت المال کی رو سے یہ ضروری نہیں کہ بیت المال کی کوئی آمدنی اس کے خزانہ میں جمع کی جائے اور پھر وہاں سے متعینہ میں خرچ کے لیے نکالی جائے بلکہ اگر بیت المال کے وسائل کو براہ راست ان کے مصارف میں استعمال کیا جائے تو بیت المال کا مقصد و منشا پورا ہو جاتا ہے گرجہ ظاہری طور پر

لفظ بیت المال کا ذکر نہ آئے ہے

ہندوستان میں مسلمانوں کا دور حکومت اس ملک اور خود مسلمانوں کی سیاسی و ثقافتی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ اس عہد کی تاریخ اور مسلم تاریخ میں اس اعتبار سے گہرا ربط پایا جاتا ہے کہ اس عہد کے ہندوستان میں جو سیاسی اصول و ضوابط بنائے گئے اور انتظامی شعبے قائم کیے گئے وہ کافی حد تک مشرق وسطیٰ کی مسلم حکومتوں سے مستعار تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ حکومت بادشاہی نظام پر مبنی تھی اور اس کی کارکردگی میں تیموری اصول جہاںبانی کے بہت سے اثرات پائے جاتے تھے لیکن اس کے رہنما اصولوں اور ترکیبی عناصر میں کافی حد تک مسلم طرز حکمرانی کا غل دخل بھی ملتا ہے۔ اس عہد میں دلو ان خراج، قضا، احتساب وغیرہ جیسے متعدد ایسے انتظامی شعبے قائم تھے جو واضح طور پر ایشیا اور افریقہ کے مختلف علاقوں میں پہلے کی مسلم حکومتوں میں پائے جاتے تھے۔ اسی طرح نظم و نسق کے دائرے بالخصوص مالیات میں بہت سی ایسی اصطلاحیں رائج تھیں جو بنیادی طور پر اسلام کے معاشی نظام کا جز تھیں مثلاً زکوٰۃ، خراج، جزیرہ، عشور، عشری و خراج، مزارعت و مضاربت، بیت المال وغیرہ۔ اسلام کے سیاسی و انتظامی شعبوں کی جو اصطلاحات عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں رائج ہوئیں ان میں کچھ ایسی تھیں جن کا اصل مفہوم باقی رہا جبکہ بعض اصطلاحوں کے معنی یہاں کے سیاق میں یا تو تبدیل گئے یا ایک محدود مفہوم میں ان کا استعمال رائج ہوا اور پھر کچھ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ایک اصطلاح اپنے اصل مفہوم کے ساتھ تبدیل شدہ معنی میں بھی مستعمل ہوئی۔ اسی پس منظر میں ذیل میں عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں بیت المال کے تصور اور اس کی کارکردگی کا مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

عہد وسطیٰ کے ہندوستان کے نظم و نسق بالخصوص مالی نظام سے بحث کرتے ہوئے بعض جدید مورخین نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اس وقت بیت المال کی حیثیت محض ایک ایسے خزانہ کی تھی جہاں لاوارث جائیداد یا غیر موروثہ ترکہ جمع کیا جاتا تھا اور جس کی آمدنی فقراء و مساکین میں صرف کی جاتی تھی اور ان مورخین کے بقول بیت المال اور کسی خیراتی ادارہ کے دائرہ کار میں کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن مستند تاریخی ماخذ کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس وقت بیت المال کا تصور اس سے کہیں زیادہ وسیع اور اس کا دائرہ کار کافی پھیلا ہوا تھا۔ عہد سلطنت کے مختلف ماخذ میں یہ مذکور ہے کہ اس وقت بیت المال کے ذرائع آمدنی میں زکوٰۃ، خمس، غنائم، جزیرہ، عشور اور غیر موروثہ اموال شامل تھے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ — ۱۳۸۸ء) کی بابت خاص طور سے مورخین یہ شہادت پیش کرتے ہیں کہ اس نے

ہندوستان میں بیت المال کا تصور

بیت المال کے وسائل کو ان محاصل تک محدود رکھا جو شریعت سے ثابت تھے اور باقی دیگر محاصل کو یک قلم ممنوع قرار دیا۔ بیت المال کے مذکورہ وسائل کے سلسلے میں معاصر فقہاء کی وضاحت اور سلاطین دہلی کی ہدایت کے علاوہ اس کے بھی ثبوت فراہم ہوتے ہیں کہ یہ محاصل واقعہً بیت المال کی آمدنی کا جز بنیتے تھے۔ سلطان اتمش (۱۲۱۰-۱۲۳۵ء) کے بارے میں معاصر مورخ منہاج السراج کے بیان سے یہ تصدیق ہوتی ہے کہ مال غنیمت حکومت کی آمدنی کا حصہ بنایا جاتا تھا اگرچہ بعض اوقات خمس سے زیادہ حکومت کے خزانہ میں داخل کیا جاتا تھا جو ظاہر ہے کہ شرعی ضابطہ کے خلاف تھا۔ سلطان علاء الدین خلجی (۱۲۹۶-۱۳۱۶ء) اور قاضی مغیث کے مابین جن مسائل پر تبادلہ خیال ہوا تھا ان میں ایک یہ بھی تھا کہ ایام شہزادگی میں اس (علاء الدین خلجی) نے دیوگیر (دولت آباد) میں فوجی مہم کے دوران جو مال حاصل کیا ہے وہ اس کا اپنا ہے یا بیت المال کا حق ہے۔ اس کے جواب میں قاضی نے یہ عرض کیا تھا کہ یہ مال لشکر اسلام کی کوششوں کے نتیجے میں ہاتھ آیا ہے اس لیے یہ بیت المال کا حق ہے سلطان کا اس پر کوئی ذاتی اختیار نہیں ہے۔ اس مباحثہ سے اس وقت مال غنیمت میں بیت المال کا استحقاق ثابت ہوتا ہے لیکن یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس میں بیت المال کا کس قدر حصہ ہوتا تھا۔ سلطان فیروز شاہ کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے پیشرو سلاطین کے دور میں مال غنیمت کی تقسیم میں بے ضابطگی پائی جاتی تھی اور ۱/۵ کے بجائے ۱/۴ حصہ بیت المال کے لیے مخصوص کر لیا جاتا تھا سلطان نے اس کی اصلاح کی اور شرعی تناسب کے مطابق بیت المال کو غنائم کے صرف ۱/۴ حصہ کا حق دار قرار دیا۔ اس پر عمل آوری کی تاکید سلطان کی اس ہدایت میں بھی ملتی ہے جو اس نے حاج نگر (اوڈیسہ) کی مہم میں کامیابی کے بعد جاری کی اور وہ یہ کہ جب مال غنیمت بلاد اسلام میں پہنچے تو حکم خداوندی اور شریعت مصطفوی کے مطابق اس کی تقسیم کی جائے۔ ہندوستان میں ترکوں کی حکومت کے قیام سے بہت پہلے جب محمد بن قاسم کی قیادت میں عربوں نے سندھ میں فتوحات حاصل کیں تو مال غنیمت کا پانچواں حصہ (خمس) مسلم حکومت کے خزانہ میں داخل کیا گیا جیسا کہ تاریخ سندھ کے مستند مؤرخ محمد بن عبد اللہ بن عبد اللہ جہاں تک جزیرہ کے بیت المال کی آمدنی کا ذریعہ بننے کا تعلق ہے سلطان فیروز شاہ سے قبل اس کی باقاعدہ تشخیص و تحصیل کا ذکر نہیں ملتا اگرچہ معاصر مؤرخین اس کے متفرق حوالے دستیاب ہیں۔ معاصر مورخ ضیاء الدین برنی سلطان علاء الدین اور قاضی مغیث کے حوالے

سے سلطان کا یہ تاثر نقل کرتے ہیں کہ زمین و اوطاق کے ہندو (خوٹ، مقدم اور چودھری) جزیرہ اور دوسرے محصول ادا نہیں کرتے اور عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہیں۔^{۱۰} جبکہ یہی مورخ عہد فیروز شاہی کی یہ صورت حال پیش کرتے ہیں کہ چند تک (عہد سلطنت کا فقری سک) جزیرہ ادا کر کے مختلف سماجی حقوق اور معاشی آسائشوں سے محظوظ ہوتے ہیں۔^{۱۱} فیروز شاہ نے جیسا کہ معاصر مآخذ میں اس کی تفصیلات ملتی ہیں اسلامی قانون کے مطابق جزیرہ کے نفاذ پر زور دیا اور اسے واضح طور پر بیت المال کے معروف وسائل کا حصہ قرار دیا اور اس سے اہم یہ کہ سلطان نے راج الوقت سک کے مطابق اس کی شرح متعین کی اور امیر، متوسط و ادنیٰ طبقہ کے لوگوں پر بالترتیب ۴۰، ۲۰ و ۱۰ تک سالانہ جزیرہ مقرر کیا۔^{۱۲} جبکہ محمد بن قاسم کے دور میں شرح جزیرہ کے طور پر ۴۸، ۲۴ و ۱۲ درہم کا ذکر ملتا ہے جو قدیم مسلم حکومتوں میں جزیرہ کی عام شرح تھی۔ نظم جزیرہ کے سلسلہ میں فیروز شاہ کا یہ اقدام بھی قابل ذکر ہے کہ اس نے برہمنوں پر بھی اسے عائد کیا جو پہلے کے ادوار میں اس سے مستثنیٰ تھے۔ سلطان کا یہ اقدام معاصر علماء کے اس متفقہ فیصلہ پر مبنی تھا کہ برہمن اپنے سماجی مشاغل اور معاشی مصروفیات کی روشنی میں شریعت کی رو سے اس رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔^{۱۳}

اُس وقت ریاست کے وسائل میں خراج سب سے معروف اور اہم وسیلہ تھا اس لیے بیت المال کی آمدنی میں اس کے حصہ کا زیادہ ہونا ایک فطری امر تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ معاصر مورخ برہنی نے سلطان علاؤ الدین اور قاضی مغیث کے مکالمہ میں بیت المال کی صفت یہ بیان کی ہے کہ جو کسانوں کے خراج سے جمع ہوتا ہے (وازیبت المال کہ از خراج رعایا جمع شود) یہی حقیقت عامل و محصلین خراج کے نام جاری کردہ فیروز شاہ کی اس ہدایت سے بھی واضح ہوتی ہے کہ کسانوں سے محصول کی وصولی میں سختی نہ برتی جائے اور نہ ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ ڈالا جائے اس لیے کہ کسان ہی خزانہ بیت المال میں اضافہ کا ذریعہ بنتے ہیں۔ سلطان نے خان جہاں کو وزیر مقرر کرتے وقت اس کی جو ذمہ داریاں یاد دلائیں ان میں نظم محاصل کی نگرانی اور حکومت کی آمدنی میں اضافہ کی تدبیر بھی شامل تھی اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ سلطنت کی تعمیر و ترقی بیت المال کی آبادی اور ذرائع آمدنی میں اضافہ سے منسلک ہے۔^{۱۴} قریب قریب اسی خیال کی ترجمانی معاصر مورخ عقیف کے بیان کردہ اس اصول میں ملتی ہے کہ اگر خراج وصول کرنے والوں (عمال) کی کارکردگی پر کڑی نظر نہ رکھی جائے تو بیت المال کی آمدنی میں کمی واقع ہوتی ہے۔^{۱۵} یہ تمام تفصیلات اس حقیقت کی غماز ہیں کہ عہد سلطنت میں خراج نظر

یہ کہ بیت المال کی آمدنی کا حصہ بنتا تھا بلکہ اس کا اہم و مقدمہ حصہ تھا۔

اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ خراج کے مثل عشر (زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ) بھی بیت المال کے معروف وسائل میں شامل تھا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اور یہ بھی مآخذ سے ثابت ہے کہ محمد بن قاسم نے سندھ کی فتوحات کے بعد ان لوگوں کی زمین کو عشری قرار دیا تھا جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اسی کے مطابق ان سے عشر وصول کیا جاتا تھا۔^{۱۳۶} مزید برآں دہلی سلطنت کے ابتدائی دور میں عشر کی تحصیل اور اس سے متعلق بعض ضابطوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ سلطان قطب الدین ایبک (۱۲۰۶ - ۱۲۱۰ء) نے بالخصوص لاہور کی بابت یہ حکم جاری کیا تھا کہ جو زمینیں مسلمانوں کی مملوک ہیں ان پر شریعت کے مطابق عشر یا نصف عشر عاید کیا جائے اور اس کے علاوہ ان سے کچھ نہ وصول کیا جائے۔^{۱۳۷} اس میں شبہ نہیں کہ سلطان التمش کے دور میں خراجی زمین کے مسائل کی خصوصی وضاحت ملتی ہے لیکن عشری و خراجی کی تقسیم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عشری زمینیں موجود تھیں اور عشر حکومت کی آمدنی کا ذریعہ بنتا تھا۔ عہد سلطنت کے سرکاری خطوط و دستاویزات کے مشہور مجموعہ ”انشا ماہر“ میں صاف طور پر یہ مذکور ہے کہ آرمینی ہندو حالت سے خالی نہیں یا تو وہ خراجی ہوگی یا عشری۔^{۱۳۸} مذکورہ سلاطین کے علاوہ دیگر حکمرانوں کے عہد میں بھی عشر کا حوالہ ملتا ہے۔^{۱۳۹} لیکن اسے بیت المال کے وسائل میں شامل کیے جانے کی کھرا اور اس کی باضابطہ تحصیل کے شواہد فیروز شاہ کے زمانہ میں فراہم ہوتے ہیں معاصر مآخذ اس پر متفق ہیں کہ سلطان نے شرعی قوانین کی روشنی میں نظم محاصل کی اصلاح کی اور بیت المال کے لیے ان محاصل کی وصولی پر زور دیا جو شریعت سے ثابت ہیں۔^{۱۴۰} یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ بیت المال کے ایک ذریعہ آمدنی کی حیثیت سے خراج کی نسبت عشر کے حوالہ کی کمیابی کی وجہ یہ تھی کہ اُس وقت عشری زمینیں بہت کم پائی جاتی تھیں جیسا کہ عہد وسطیٰ کے بعض ہندوستانی علماء نے اپنی تصنیفات میں اس موقف پر خاص زور صرف کیا ہے۔^{۱۴۱}

جہاں تک عہد سلطنت میں نقد یا سامان تجارت پر عاید ہونے والی زکوٰۃ کے بیت المال میں داخل کیے جانے کا تعلق ہے اصولی و قانونی طور پر اس کا ذکر فقہی و تاریخی مآخذ میں بکثرت ملتا ہے۔ لیکن موضوع حکومت کے ذریعہ اس کی تحصیل اور متعینہ مصارف میں اس کے خرچ کرنے کی تفصیلات بہت کم پیش کرتے ہیں۔ اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر لوگ خود زکوٰۃ ادا کرتے تھے یا اپنی موابدید کے مطابق اس کی رقوم کو اس کے متعینہ مصارف

میں خرچ کر دیتے تھے تاہم زکوٰۃ سے متعلق بعض متفرق حوالوں سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے نظم پر کسی نہ کسی حد تک حکومت کا اختیار قائم تھا۔ مثال کے طور پر معاصر مورخ برنی کے بیان کے مطابق اس وقت محتسب کے فرائض میں یہ بات شامل تھی کہ وہ امارے زکوٰۃ وصول کر کے فقرا میں تقسیم کریں۔ اسی دور کے ایک دوسرے مورخ یہ ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ جب ایک کثیر النعمان غریب شخص سلطان فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدد کی درخواست کی تو سلطان نے اس کے بارے میں تفتیش حال کے بعد یہ حکم جاری کیا کہ اسے شہر کی زکوٰۃ و غنور کی مدد سے روزانہ ایک تنکہ عطا کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہاں شہر کی زکوٰۃ سے مراد نقود یا مالی تجارت کی زکوٰۃ ہی ہو سکتی ہے۔ مزید برآں اسی زمانہ کی ایک فقہی تالیف میں یہ استفتاء مذکور ہے کہ اگر بادشاہ کسی سے حرامہ کے طور پر مال وصول کرے اور حرامہ ادا کرنے کے ادائیگی کے وقت یہ نیت کرے کہ جو کچھ وہ بادشاہ کو دے رہا ہے وہ اس کے مال کی زکوٰۃ ہے تو کیا وہ شریعت کی رو سے زکوٰۃ سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ یہ سوال بھی اس حقیقت کا غماز ہے کہ حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنے کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا تھا۔ زکوٰۃ کے علاوہ سامان تجارت کے درآمد و برآمد یا ایک مقام سے دوسرے مقام تک اس کی منتقلی پر عائد کیا جانے والا محصول (کسٹم ڈیوٹی یا چٹنی) بھی اُس وقت بیت المال کی آمدنی کا ذریعہ ہوتا تھا۔ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں اس محصول کے لیے اصل اصطلاح (غنور) کے علاوہ زکوٰۃ، تمغا، چہل یک و چہل دو کے الفاظ بھی استعمال ہوتے تھے۔ بیت المال کے وسائل میں اس محصول کے شامل ہونے کے جو ثبوت ملتے ہیں ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ ملتان کے گورنر عین الدین ماہر کو یہ شکایت ملی کہ ساحلی شہر اُج (یا اوچھ) کے علاقہ میں اس محصول کا نظم بے ضابطگی و خرابی کا شکار ہے تو اس نے مقامی حاکم کو اس خرابی کے دور کرنے کی ہدایت کی اور یہ صراحت کی کہ اس محصول کی بے ضابطہ وصولی بیت المال کے نقصان کا باعث بنتی ہے۔^{۳۵}

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ عہد سلطنت میں وہ تمام چیزیں بیت المال کی آمدنی کا ذریعہ بنتی تھیں جو اصولی طور پر اسلام میں اس کے وسائل کا حصہ شمار کی جاتی ہیں۔ اس طرح وسائل کے اعتبار سے اس وقت بیت المال کا ایک وسیع تصور پایا جاتا تھا اور اسے عوامی خزانہ (پبلک ٹرنزیری) کے مترادف قرار دینا غلط نہ ہو گا۔

عہد مغلیہ میں انتظامی شعبوں کی وسعت کے ساتھ نئے سرے سے ان کی تنظیم عمل میں آئی مغل بادشاہوں میں اکبر کا زمانہ (۱۵۵۶ء - ۱۶۰۵ء) انتظامی اصلاحات کے لیے معروف ہے۔ عہد اکبری کے مشہور مجموعہ اصول و ضوابط ”آئین اکبری“ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ محاصل آراضی کے خزانہ کے علاوہ (سرکاری) خزانہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک پیشکش کے لیے، دوسرا غیر مورد اموال کے لیے، تیسرا تحفہ و تحائف کے لیے اور چوتھا ان نفود (سونا و چاندی) کے لیے جن کے برابر بادشاہ کو تو لاجاتا تھا اور جنہیں خیرات کے طور پر تقسیم کیا جاتا تھا۔ آئین کی بیان کردہ اس تقسیم خزانہ جات میں بیت المال کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ عہد جدید کے مشہور مورخ سر جادونا تھ سرکار نے آئین اکبری کی مذکورہ بحث کے حوالہ سے لاوارث جائداد کے خزانہ کو بیت المال کا نام دیا ہے جو اپنی جگہ پر محل نظر ہے^{۳۵} لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عہد اکبری کے دیگر تاریخی ماخذ میں بیت المال کے متفرق حوالے ملتے ہیں جن سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بیت المال کے نام سے ایک خزانہ ضرور پایا جاتا تھا^{۳۶} اور نگزیب عالمگیر کے عہد (۱۶۵۸ء - ۱۶۵۷ء) میں بھی مختلف حصوں میں خزانہ کی تقسیم جاری رہی۔ اس عہد کے دستاویزی ماخذ میں عام طور پر چار خزانوں کا ذکر ملتا ہے۔ خزانہ عامرہ یا بیت الخراج، خزانہ بقایا، خزانہ صدقہ اور خزانہ جزیرہ^{۳۷} اس تقسیم میں بھی بیت المال شامل نہیں ہے لیکن اسی عہد کی تاریخی کتب و دستاویزات میں بیت المال کا ذکر بار بار آتا ہے اور ان حوالوں پر ان کے سیاق و سباق کے ساتھ نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت بیت المال کو ایک نمایاں حیثیت حاصل تھی اور اس کا اپنا ایک نظم قائم تھا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ تمام اموال جن کے لیے الگ خزانوں کا ذکر کیا گیا ہے بیت المال کے وسائل میں شامل کیے گئے ہیں جیسا کہ آنے والی تفصیلات سے واضح ہوگا۔

اس سے پہلے یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ عہد سلطنت میں مال غنیمت کا خمس بیت المال کے معروف وسائل میں شامل تھا عہد مغلیہ میں اس کی بابت کوئی واضح ثبوت نہیں مل پایا ہے لیکن شہزادہ محمد معز الدین کے نام اور نگزیب کے ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ کئی فتوحات بھی بیت المال کی آمدنی کا ذریعہ بنتی تھیں۔ بادشاہ شاہزادہ کو قلعہ ترکندہ و نول (واقع در دکن) کی فتح پر مبارک باد دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بیت المال کے وسائل میں اضافہ کی خواہش کا تقاضا یہی ہے کہ مزید فتوحات کے لیے کوشش جاری رکھی جائے^{۳۸} بظاہر ہی معلوم ہوتا ہے کہ کئی

فتوحات کی آمدنی سے مراد مال غنیمت کا حصول ہے۔ اسی طرح اورنگ زیب کے عہد میں غیر مسلموں سے جزیہ کی تحصیل اور متعلقہ قوانین کے نفاذ کی تفصیلات متعدد مآخذ میں دستیاب ہیں۔^۱ اوپر ذکر کیا گیا کہ بادشاہ نے اس محصول کے لیے علیحدہ خزانہ تشکیل دیا تھا۔ لیکن دوسری جانب اسی عہد کے ایک مآخذ کے بیان سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ جزیہ بیت المال کی آمدنی کا حصہ بنتا تھا اس لیے کہ اس میں امین جزیہ کی جانب سے جزیہ کی رقم میں خرد برد کو بیت المال میں بجا تصرف سے تعبیر کیا گیا ہے۔^۲ اسلام کے اقتصادی نظام کی رو سے مسلم و غیر مسلم تاجروں کے سٹم ڈیوٹی یا جنگی کے طور پر وصول کیا جانے والا محصول (عشور) بیت المال کے معروف وسائل میں شامل ہے عہد سلطنت میں بالخصوص فیروز شاہ کے زمانہ میں اس اصول پر عمل آوری کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ بعد کے دور میں اس محصول کے نظم میں جو خرابی آگئی تھی اورنگ زیب نے اس کے اصلاح کی کوشش کی اور قانون شریعت کے مطابق اس کے وجوب کا نفاذ مقرر کیا اور مسلم اور ہندو تاجروں کے لیے سامان تجارت کی قدر و قیمت کے اعتبار سے ڈھائی فیصد و پانچ فیصد اس محصول کی شرح متعین کی۔^۳ اورنگ زیب کے زمانہ میں یہ محصول بیت المال کے ذرائع آمدنی میں شامل تھا۔ مثال کے طور پر اورنگ زیب نے مسلمانوں کے حق میں اس محصول کی معافی کا اعلان کیا اس معافی کے بعد بعض مسلمانوں نے ہندوؤں کے مال کو اپنے نام سے ایک مقام سے دوسرے مقام منتقل کرنے کی نازیبا حرکت شروع کی بادشاہ کو جب اس کی خبر ملی تو اس نے اسے بیت المال کے نقصان اور عام لوگوں کی حق تلفی سے تعبیر کیا اور نتیجہً مسلمانوں کے حق میں اس کی معافی کو منسوخ کرتے ہوئے حسب دستور سابق انھیں بھی اس کی ادائیگی کا پابند قرار دیا۔ اس سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں سے وصول کیا جانے والا عشور بھی وسائل بیت المال کا جز بنتا تھا اس صورت میں اس بات کے یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ مسلمان تاجروں سے موصول ہونے والا یہ محصول بھی بیت المال کی آمدنی میں شامل ہوتا تھا۔ فقہی مآخذ بلا کسی تفریق کے مسلم و غیر مسلم تاجروں پر عاید کیے جانے والے عشور کو بیت المال کا حق قرار دیتے ہیں۔^۴

عہد مغلیہ میں بیت المال کے وسائل میں جس چیز کا سب سے زیادہ ذکر ملتا ہے وہ لاوارث ترکہ ہے۔ اس عہد کے بعض اہم مآخذ میں بیت المال کی خاص آمدنی اس مال کو بتایا گیا ہے جو لاوارث ہونے کے سبب حکومت کی تحویل میں لیا جائے۔^۵ بلا استثناء

تمام مغل بادشاہوں کے زمانہ حکومت میں یہ مسلمہ اصول معمول رہا ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر کوئی (شرعی) وارث چھوڑے وفات پا جاتا تو اس کی جائیداد بحق سرکار ضبط ہو کر بیت المال کی ملک ہو جاتی یہ قانون عام رعایا سرکاری ملازمین اور مسلم و غیر مسلم سب کے سلسلہ میں یکساں طور پر نافذ العمل تھا یہاں یہ ذکر ہے موقع نہ ہو گا کہ اسلام کے قانون وراثت میں یہ مشہور جزئیہ ملتا ہے کہ متوفی کے ذمہ اگر کسی کا کوئی مطالبہ ہے تو اس کے ترکہ سے اس کی ادائیگی کے بعد ہی باقی ماندہ اموال کو اس کے ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا اور اگر کسی متوفی کا کوئی وارث نہیں ہے تو اس کے ترکہ کا حقدار بیت المال ہو گا۔ بادشاہ اکبر کے زمانہ میں اس سے متعلق جو قانون جاری کیا گیا تھا اس کی وضاحت معاصر مورخ بدایونی کے یہاں ان الفاظ میں ملتی ہے کہ اگر میت کا کوئی وارث ہو اور اس کے ذمہ حکومت کا نہ تو کوئی مطالبہ ہو اور نہ اس کا تعلق شعبہ مالیات کی کسی ملازمت (عمل داری، فوطہ داری و کردری) سے ہو تو اس کا چھوڑا ہوا مال وارث کے حوالہ کر دیا جائے ورنہ اسے بیت المال میں داخل کیا جائے۔ جہاں تک سرکاری زمینیں کے بعد جو بارہ مشہور ضوابط جاری کیے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ مسلم و غیر مسلم متوفی کی جائیداد اس کے ورثہ کے حوالہ کر دی جائے اور لا وارث جائیداد سرکاری تحویل میں لی جائے۔ ۱۶۶۶ء میں اسی نوعیت کا صاف صاف حکم یہ جاری کیا کہ اگر عملہ حکومت (مندانے بادشاہی) میں سے کوئی فوت کر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو اور نہ ہی حکومت کے ذمہ اس کا کوئی مطالبہ ہو تو اس کی چھوڑی ہوئی جائیداد بیت المال کے نگران کے سپرد کر دی جائے اور اگر اس کے ذمہ حکومت کا کوئی مطالبہ واجب الادا ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد باقی اموال بیت المال میں جمع کر دیے جائیں۔ لا وارث جائیداد سے متعلق مغل بادشاہوں کی مذکورہ ہدایات کو سمجھنے کے لیے یہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ مغل حکومت کا یہ مسلمہ اصول تھا کہ سرکاری افسران میں سے جو شخص وفات پا جاتا تھا اس کا چھوڑا ہوا مال بحق سرکار ضبط (Escheat) کر لیا جاتا تھا اس کے ذمہ اگر حکومت کا کوئی قرض وغیرہ ہوتا تو اس کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ ترکہ اس کے وارث میں تقسیم کر دیا جاتا اور اگر متوفی لا وارث ہوتا تو اس کا ترکہ بیت المال کی ملک قرار پاتا اس اصول پر عمل آوری میں مسلم و غیر مسلم افسران حکومت کے مابین کوئی تفریق نہیں برتی جاتی تھی۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ لا وارث اموال اور بیت المال سے متعلق مذکورہ ضابطہ صرف منقولہ جائیداد تک محدود نہ تھا بلکہ زرعی جائیداد کے بارے میں بھی اس ضابطہ

کے جاری ہونے کے ثبوت ملتے ہیں اور نگزیب نے اپنی بادشاہت کے چوتیسویں سال (۱۳۹۹ء) یہ حکم جاری کیا کہ مردِ معاش کی آراضی رکھنے والا اگر وفات پا جائے اور ذوی الفروض، عصبر یا ارحام میں سے کوئی اس کا وارث موجود نہ ہو تو اس کی آراضی بیت المال کے حق میں واپس لے لی جائے۔ اگرچہ یہ حکم مردِ معاش کی آراضی کے لیے خاص تھا لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ عام آراضی کے بلے میں بھی یہی معمول رہتا تھا اس لیے کہ لاوارث ہونے کی صورت میں متوفی کے اموال کو بیت المال کی تحویل میں لینے کا مختلف تاخیر میں جہاں جہاں ذکر آیا ہے وہاں نفوذ کی قید نہیں بلکہ عام انداز میں 'جملہ اموال' کا حوالہ ملتا ہے۔ عہدِ مغلیہ میں غیر موروثہ آراضی پر بیت المال کے حقوق ثابت ہونے کے ضمن میں دلچسپ بات یہ ہے کہ اس عہد کے بعض علماء نے ہندوستان کی بیشتر آراضی کو غیر موروثہ تصور کرتے ہوئے بیت المال کی ملک قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں یہاں کے زیادہ تر علاقے بزور (عنوة) مفتوح ہوئے اور اس امر کے قطعی شواہد موجود نہیں کہ مفتوحہ آراضی غامنین میں تقسیم کی گئی اور نہ ہی یہ ثبوت ملتا ہے کہ خراج یا مقررہ محصول کے عوض مفتوحہ زمینوں پر سابق مالکین (ہندو) کا قبضہ بحال رکھا گیا۔ یہ علماء اپنے موقف کی تائید میں ایک اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ان زمینوں کے اصل مالک یا تو فوجی ہم کے دوران تباہ و برباد ہو گئے یا پھر اپنا اصل مقام چھوڑ کر ادھر ادھر منتقل ہو گئے اور پھر ان زمینوں پر حکومت کی اجازت کے بغیر ایسے لوگ قابض ہو گئے جن کا اصل مالکین سے کوئی وصلی یا نسبی رشتہ نہیں تھا۔ ایسی صورت میں ان زمینوں کی نوعیت ایسی ہو گئی کہ ان کے اصل مالک (سابق یا موجودہ) کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ اس لیے یہ لامحالہ زمینیں لاوارث زمینوں کے زمرہ میں آکر بیت المال کی ملک قرار پائیں۔ ان علماء کے خیال میں بیت المال کی ان آراضی میں سے اگر سلطان یا بادشاہ کسی شخص کو اس کی دینی یا علمی خدمت کے عوض کوئی حصہ عطا کرتا ہے یا کسی کو مردِ معاش کے طور پر اس میں سے کوئی قطعہ حوالہ کرتا ہے اور وہ شخص سلطان کی اجازت سے اسے اپنی کاشت میں لاتا ہے تو وہ زمین اسی کی ملک ہوگی اور عشری قرار پائے گی۔ لاوارث جائیداد کے علاوہ اس شخص کے اموال بھی بیت المال کی تحویل میں لے لیے جاتے تھے جو کسی جرمِ شنیع (قتل وغیرہ) کے ارتکاب کے بعد راہ فرار اختیار کر لیتا تھا اور یہ ضابطہ ہندو مسلم کے حق میں یکساں طور پر نافذ العمل تھا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص چوری یا دہشتی کرتے ہوئے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تو جو کچھ اس کا اپنا اثاثہ اس کے پاس سے برآمد ہوتا اسے بیت المال میں داخل کر دیا جاتا۔ یہ صورت غالباً اس وقت اختیار کی جاتی

رہی ہوگی جبکہ چوریا ڈاکو نامعلوم اشخاص ہوں اور ان کے گھر بار کا کچھ پتہ نہ ہو۔ جہاں تک مسروقہ (چُرایا ہوا) مال کا تعلق ہے اس کے بارے میں اورنگ زیب نے شرعی ضابطہ کے تحت صاف صاف یہ حکم جاری کیا تھا کہ اگر وہ برآمد ہو جائے اور اس کا مالک معلوم ہو تو ملکیت کی قطعی شہاد ملنے پر وہ مال اس کے حوالے کر دیا جائے اور اگر اس کا مالک مجہول ہو تو اسے بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ اسی طرح اورنگ زیب کے تعزیری قوانین میں یہ جزئیہ بھی ملتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کو کیمیا گر ظاہر کرتے ہوئے کسی کا مال ہڑپ لیتا ہے تو اسے قید میں رکھا جائے گا پہلے تک کہ وہ توبہ کر لے اور حوالہ اس نے غلط طریقے سے حاصل کیا تھا اسے اس کے ملک کے حوالہ کر دیا جائے گا اگر وہ معروف و موجود ہو ورنہ پھر اسے بیت المال کے اموال میں شامل کر دیا جائے گا۔ مزید برآں بادشاہ نے بعینہ یہی قانون اس مال کے بارے میں بھی لاگو کیا تھا جس سے جو اٹھایا جاتا تھا جو بازاروں کو قید و بند کی سزا دی جاتی تھی اور جو عیسویں لگایا گیا یا جیتا ہوا مال مالک کے حوالہ کر دیا جاتا بشرطیکہ وہ موجود ہو تا ورنہ پھر اسے بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا اورنگ زیب نے ان تحائف و ہدایا کو بھی بیت المال کا حق قرار دیا تھا جو مہوبہ کے گورنروں کو پیش کیے جاتے تھے اس کا ایک واضح ثبوت اس سے فراہم ہوتا ہے کہ جب بادشاہ کو یہ خبر ملی کہ شہزادہ محمد اعظم بہادر شاہ (جو باری باری ملتان، بہار، بنگال، گجرات، خاندیش اور اورنگ آباد کے صوبے دار کے عہدہ پر فائز ہوئے) حکومت کے افسران و امراء کی جانب سے پیش کیے جانے والے تحفے و تحائف کو واپس کر دیتے تھے تو خط کے ذریعہ اس عمل کے خلاف شہزادہ کو تنبیہ کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ سراسر بیت المال کا نقصان ہے۔ اس سے بجا طور پر نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ بادشاہ کو موصول ہونے والے تحائف و ہدایا بھی بیت المال کی آمدنی کا ذریعہ بنتے رہے ہوں گے۔ یہاں یہ ذکر بے موقع نہ ہو گا کہ مورخین کے بیان سے سلطان سکندر لودی کی بابت یہ شہادت ملتی ہے کہ اس نے یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ اسے دوسرے ممالک کے حکمرانوں سے جو تحفے و تحائف موصول ہوں یا امراء (افسران) کی جانب سے عرضداشتوں کے ساتھ جو نذرانے پیش کیے جائیں انھیں بیت المال میں نہ داخل کیا جائے بلکہ اس کے لیے ایک الگ خزانہ قائم کیا جائے اور اس (سلطان) کے حکم کے مطابق انھیں صرف میں لایا جائے۔ اسی طرح سلطان فیروز شاہ کے بارے میں معاصر مورخ عقیف یہ ذکر کرتے ہیں کہ جب ملک بشیر جو سلطان کے خاص غلاموں میں سے تھے اور حکومت کے اہم عہدہ داروں میں

شامل تھے) نے ایک کروڑ دام بطور نذرانہ (مال تسلیم) سلطان کی خدمت میں پیش کیا تو اول اس نے قبولیت سے انکار کیا لیکن جب ملک بشیر کے اصرار پر اسے قبول کیا تو صاف صاف یہ ہدایت جاری کی کہ اسے بیت المال کا حصہ نہ بنایا جائے بلکہ اسے علیحدہ رکھا جائے۔^۱ کہیں سے یہ وضاحت نہیں مل پائی ہے کہ اورنگ زیب نے کن بنیادوں پر گورنروں یا حکومت کے اہم افسروں کو پیش کیے جانے والے ہدایا وہ تحائف پر بیت المال کا حق تسلیم کیا تھا۔ بظاہر اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ متعلقین حکومت (خواہ بادشاہ ہو یا اس کے ماتحت افسران) کو ہدایا اور نذرانے ان کی ذاتی حیثیت میں نہیں بلکہ ان کے منصب و عہدہ کی وجہ سے ملتے تھے اس لیے ان پر بجا طور پر عوام کا اجتماعی حق ثابت ہوتا ہے۔ بیت المال اس کے وصول کرنے اور خرچ کرنے کا ذمہ دار ہے۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان میں بیت المال کے وسائل مختلف النوع تھے اور یہ کہ معروف وسائل کے علاوہ اس وقت بعض ایسی چیزیں اس کے ذرائع آمدنی میں شامل تھیں جن کا ذکر اولین مسلم تاریخوں میں نہیں ملتا۔ مزید برآں مذکورہ مباحث سے یہ ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے کہ بیت المال کے وسائل کے کچھ متعین اصول و ضوابط تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ بغیر کسی قید و بند کے ہر طرح کے مال کو بیت المال میں شامل کر دیا جاتا تھا۔ اس پر ایک دلیل اس سے بھی ملتی ہے کہ جب بھی بیت المال میں کسی چیز کے داخل کیے جانے کے بارے میں حکومت کے علم میں اختلاف ہوتا یا اس ضمن میں کوئی نئی صورت حال سامنے آتی تو بادشاہ سے رجوع کیا جاتا اور اس کے فیصلہ کے بعد ہی کوئی اقدام کیا جاتا۔ مثال کے طور پر اورنگ زیب کے عہد میں پرگنہ میر تھا (راہستہ خان) کے کچھ ہندو تاجروں نے ایک سو سے زائد دکانوں کا کرایہ وہاں کے بت خاؤں کے لیے وقف کیا تھا کچھ عرصہ بعد یہ بت خاؤں نے منہدم ہو گئے، قاضی محمد اکرم یہ چاہتے تھے کہ وقف شدہ دکانوں کا کرایہ بیت المال میں داخل کیا جائے اور بت خاؤں کا طبعی بیج کر اس کی قیمت بھی بیت المال کی آمدنی میں شامل کر دی جائے۔ ہندو تاجر اس پر عرض ہوئے اور یہ دعویٰ کیا کہ دکان اور بت خاؤں کا ملکان کی ملکیت ہے اس لیے ان کے حوالہ کیا جائے۔ بادشاہ کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے صوبہ کے واقعہ نگار دریافت کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کیا فیصلہ لیا جائے۔ اسی طرح اس صوبہ کے پرگنہ دیندوان کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ ٹھاکری کا نام کا ایک شخص (جو سیورہ فرقہ سے تعلق

ہندوستان میں بیت المال کا تصور

رکھتا تھا) ۱۶۷۸ء میں وفات پا گیا۔ اس کی چھوٹی ہوئی منقولہ وغیرہ منقولہ جائیداد تقریباً دو ہزار روپے کے برابر تھی۔ اس کے فرقہ کے لوگ کسی جگہ مستقل بود و باش نہیں رکھتے تھے اور ان کی متعین معاشرتی زندگی بھی نہیں تھی اس لیے اس کا کوئی وارث نہیں تھا۔ وہاں اس کے صرف دو شاگرد تھے اور اس کا ترک بھی انھیں دونوں نے قبضہ میں تھا۔ یہاں بھی اس وضاحت کے ساتھ بادشاہ کا فیصلہ معلوم کیا جاتا ہے کہ شریعت کی رو سے (لا وارث) متوفی کے ترک پر بیت المال کا حق مرتب ہوتا ہے۔ اگرچہ دونوں واقعات کے سلسلہ میں متعلقہ آخذ سے یہ صراحت نہیں ملتی کہ بادشاہ نے کیا فیصلہ صادر فرمایا لیکن اس سے بہر حال یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیت المال میں مسائل ایک نظم کے تحت جمع ہوتے تھے اور اس سے متعلق نئے اور اختلافی مسائل میں آخری فیصلہ بادشاہ کی صوابدید پر منحصر ہوتا تھا۔

جہاں تک عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں بیت المال کے وسائل کو خرچ میں لانے کا تعلق ہے نظری طور پر اموال بیت المال میں عوام کا اجتماعی حق تسلیم کیا جاتا تھا اور یہ تصور قائم تھا کہ اس کے وسائل کو عوام کی فلاح و بہبود کے کاموں میں صرف کیا جائے۔ اس کے علاوہ سلطان یا بادشاہ بیت المال میں بس اتنا ہی اپنا اختیار سمجھتے تھے جتنا کسی مال یا جائیداد پر اس کے امین یا نگران کا ہوتا ہے۔ سلاطین دہلی میں ناصر الدین محمود (۱۲۴۶ — ۱۲۶۶ء) کا واقعہ بہت ہی مشہور ہے کہ جب ان کی اہلیہ نے بیت المال سے گھر کے کام کاج کے لیے ایک خادمہ کی فراہمی کا مطالبہ کیا تو سلطان نے جواب دیا کہ بیت المال خدا کے بندوں کا حق ہے۔ مجھے اس میں ذاتی تصرف کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ سلطان علاؤ الدین خلجی نے جب قاضی مغیث سے یہ دریافت کیا کہ بیت المال میں اس کے اور اس کے متعلقین کا کس قدر حصہ ہے تو قاضی نے ان الفاظ میں وضاحت کی کہ خلفاء راشدین کی اتباع اگر مفصل ہے تو اسے بیت المال سے صرف ایک عام سپاہی کی تنخواہ کے بقدر (۲۳۰ تنگہ) لینا چاہیے۔ اگر میانہ روی مطلوب ہو تو امراء و اراکین سلطنت کے اخراجات کے بقدر تصرف میں لائیں لیکن اگر وہ بادشاہ و امراء میں کچھ امتیاز رکھنا چاہتے ہوں تو وہ امراء سے کچھ زیادہ لے سکتے ہیں۔ غیاث الدین تغلق کی بابت معاصر مورخ برنی کی یہ شہادت قابل ذکر ہے کہ بیت المال کے لیے چھل وسائل اور ان کے مصرف دونوں میں وہ شریعت و عقل کے مطالبات کا پاس و لحاظ رکھتا تھا اور کسی ایسی داد و دہش کو روا نہیں رکھتا تھا جس سے اسراف و ترف بیت المال ظاہر ہو۔

اس پر ایک قوی ثبوت اس سے فراہم ہوتا ہے کہ سلطان نے تخت نشینی کے بعد ان تمام رقوم کی بازیابی کی کوشش جنہیں ان کے پیشرو خرواں نے حکومت کے متعلقین، عوام اور علماء و مشائخ میں ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے بے تحاشہ تقسیم کی تھی۔ واپسی رقوم کے مطالبہ پر دیگر اصحاب سے قطع نظر شیخ نظام الدین اولیاء نے جو جواب دیا تھا وہ خود بیت المال کے مصروف پر دلالت کرتا ہے۔ سلطان المشائخ نے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ یہ بیت المال (کامل) تھا جو اس کے مستحقین تک پہنچ گیا (اس بیت المال بود بابل استحقاق رسید) یہ ملحوظ رہے کہ شیخ نظام الدین نے خرواں کی دی ہوئی رقوم نذرانہ کو غریب و مساکین میں تقسیم کر دی تھی۔ سلطان فیروز شاہ تغلق نے نہ صرف بیت المال کے وسائل کو شریعت کے تحت منضبط کیا بلکہ اس کے مصارف میں بھی شریعت کی حد بندیوں کا پاس و لحاظ رکھا۔ عہد شہنشاہی کے مورخ محمد صادق بیت المال میں اجتماعی حقوق پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بیت المال میں تمام مسلمانوں کے حقوق جملہ فقہی مذاہب سے ثابت ہیں۔ اور رنگ زرب عالمگیر نے اپنے فرامین و خطوط میں متعدد مقامات پر اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ بیت المال ہنگام خدا کا حق ہوتا ہے اور حکمران یا خلیفہ وقت کی حیثیت محض اس کے امین کی ہے (بیت المال حق عبادات و خلیفہ امین و نوکران گماشتہای خلیفہ اند) بیت المال میں ذاتی طور پر احتیاط کے علاوہ بادشاہ بیت المال کے نظم و نسق سے تعلق رکھنے والے عملہ حکومت کو بھی اس بات کی برابر ہدایت کرتے رہتے تھے کہ وہ بیت المال کے وسائل کو ناحق تصرف میں نہ لائیں مثال کے طور پر وہ عتیق اللہ خاں نجفی کو ہدایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اپنے اہل و عیال کے لیے بیت المال سے کچھ نہ حاصل کرے اور اگر وہ بڑھاپے یا کسی عارضہ کی وجہ سے کسب معاش سے عاجز ہو تو وہ مقامی مسلمانوں کے مشورہ سے ایک سے تین درہم تک لے سکتا ہے اس سے زیادہ کا وہ مجاز نہیں ہے۔

بیت المال کے مصارف کے بارے میں اس عہد کی فقہی تالیفات میں یہ صراحت ملتی ہے کہ مختلف ذرائع سے اسے جو کچھ آمدنی حاصل ہوا اسے الگ الگ مدت میں خرچ کیا جائے فتاویٰ فیروز شاہی کی تصریح کے مطابق بیت المال کی آمدنی کے چار شعبے قائم کیے جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک کے مصارف علیحدہ ہوں گے مثلاً زکوٰۃ کے محاصل قرآن کے بیان کردہ آٹھ مصارف میں خرچ کیے جائیں گے اور وارث اموال سے ملنے والے دوسرے کی تعمیر جیسے عوامی فلاح

ہندوستان میں بیت المال کا تصور

وہ بہود کے کام انجام پذیر ہوں گے لیکن جہاں حکومت یا بادشاہ کی جانب سے مختلف کاموں کے لیے خرچ کا ذکر آتا ہے وہاں اکثر بیت المال کے بجائے سرکاری خزانہ کا حوالہ ملتا ہے اور جس طرح معاصر مآخذ میں حکومت کے ذرائع آمدنی کے ضمن میں بیت المال کے حوالے بکثرت دستیاب ہیں اخراجات کے سلسلہ میں ان کی بنسبت بیت المال کی اصطلاح بہت کم استعمال کی جاتی ہے بیت المال کی آمدنی سے خرچ کا ذکر زیادہ تر فقراء و مساکین کی اعانت اور فحاشی کاموں کے ذیل میں ملتا ہے بلکہ بعض مآخذ میں غزا، و مساکین کی مالی امداد کو ہی بیت المال کا خاص مصرف بتایا گیا ہے۔ عین ظاہر ہے کہ بیت المال کا یہ تصور اس تصور سے میل نہیں کھاتا جس کی تفصیلات و وسائل حکومت کے سیاق میں پیش کی گئی ہیں۔

تقریباً تمام سلاطین و ملوک کے بارے میں مورخین یہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ سلطنت کی آمدنی کا ایک حصہ فقراء و مساکین کی اعانت اور دیگر کار خیر میں خرچ کرتے تھے اور بعض اوقات یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ وہ اجتماعی فلاح بہود کے کاموں کے لیے بیت المال کے وسائل تصرف میں لاتے تھے سلطان التمش کی بابت اسی عہد کے مورخ فخر الدین مبارک شاہ ذکر کرتے ہیں کہ اس نے علماء و فضلاء کے لیے حکومت کے خزانے سے وظائف و انعامات جاری کیے اور فقراء و مساکین اور یتیموں کی مالی اعانت میں کافی دلچسپی لی۔ سلطان ناصر الدین محمود کے بارے میں بھی یہ شہادت ملتی ہے کہ وہ خراج و ممالک محروسہ کی آمدنی سپاہیوں کی تنخواہ، درویشوں کے نذرانے علماء و مشائخ پر انعامات، مساکین و بے سہارا کی مالی اعانت اور مساجد و خانقاہ، سرائے و پل کی تعمیر میں صرف کرتا تھا۔ صاحب مسالک الابصار کے بیان کے مطابق سلطان محمد بن تغلق نے دہلی میں بھیگ مانگنے پر پابندی عاید کی اور فقراء و بے سہارا لوگوں کے لیے سرکاری خزانہ سے روزانہ جاری کیا۔ اور اسی مآخذ میں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ سلطان روزانہ چالیس ہزار فقراء میں سے ایک ایک درہم نقد اور کھانے پینے کا سامان تقسیم کرتا تھا۔ فیروز شاہ تغلق کے بارے میں عقیق کا یہ بیان قابل ذکر ہے کہ وہ سالانہ ۳۷ لاکھ تنگہ فقراء و مساکین کو مالی امداد ہم پہنچانے میں صرف کرتا تھا۔ اور اس نے معذور و بے بار و مددگار لوگوں کی اعانت کے لیے ”دیوان استحقاق“ کے نام سے ایک مستقل شعبہ قائم کیا تھا۔ فیروز شاہ کی اس نیک روش پر ایک ثبوت اس سے بھی فراہم ہوتا ہے کہ جب ایک بار اس کے دربار میں ایک کثیر العیال بد حال حاضر ہوا تو سلطان نے اپنے وزیر ملک قبول قراخاں کے ذریعہ اس کے بارے میں پچان بین کرائی اور اس کی بد حالی کی تصدیق ہو جانے

پرسہر (دہلی) کی زکوٰۃ و عشور کی مد سے اس کے لیے ایک تنگ روزہ جاری کیا۔ غنیمت خانوں و غریبوں پر سلطان کی داد و دہش کا جائزہ لیتے ہوئے برنی نے لکھا ہے کہ اس کے فیض سے بیت المال کے جملہ مستحقین کو اطمینان خاطر نصیب ہوا۔

بیت المال سے فقراء و مساکین اور معذور و بے سہارا افراد کی مالی اعانت کے علاوہ سلاطین دہلی علماء و مشائخ کو بھی ان کے علم و فضل کے اعتراف میں یا ان کی مذہبی خدمات کے عوض انعامات و وظائف سے نوازتے تھے۔ مورخ عصائی کے بقول سلطان ناصر الدین محمود بیت المال کی آمدنی کا معتد بہ حصہ علماء و فضلاء کی نذر کرتا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیا، کے ایک مشہور مرید مولانا خیر الدین مروزی کے بارے میں ”خیر المجالس“ میں مذکور ہے کہ جب وہ آخر عمر میں کتابت سے معذور ہو گئے اور ان کا گند رہبر مشکل ہو گیا تو سلطان علاء الدین نے ان کے لیے بیت المال سے روزانہ ایک تنگ مقرر فرمایا لیکن وہ کافی اہرام کے باوجود صرف دو شش گانی (تقریباً بارہ آنے) قبول کرنے پر آمادہ ہوئے۔ فیروز شاہ تغلق کے بارے میں برنی یہ شہادت پیش کرتے ہیں کہ اس کے زمانہ میں صرف دہلی کے علماء و مدد سین، اہل افتار و واعظین اور رائے و مجاورین کو دیے جانے والے انعامات و وظائف کی تعداد ہزاروں سے بڑھ کر لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔ یہاں یہ وضاحت بے موقع نہ ہوگی کہ کم از کم فیروز شاہ تغلق اور سکندر لودھی (۱۲۸۹-۱۵۱۷ء) کے بارے میں یہ ذکر ملتا ہے کہ وہ دیگر ذرائع آمدنی کے علاوہ ذاتی املاک، تحائف و ہدایا اور پیشکش کی رقوم کو علماء و فضلاء پر خرچ کرتے تھے۔ مزید برآں اہل علم و فضل پر دیگر سلاطین دہلی کے انعام و اکرام کے بہت سے حوالے ملتے ہیں جن کی تفصیل پیش کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اگرچہ سلاطین یا حکومت کی جانب سے فقراء و مساکین کی اعانت اور اہل علم و فضل پر انعام و اکرام کے بہت سے حوالوں میں بیت المال کا ذکر نہیں ملتا لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ بیت المال کے وسائل ان میں صرف کیے گئے ہوں گے، دوسرے یہ نکتہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ بیت المال محض کسی خزانہ یا جمع و خرچ کی جگہ کا نام نہیں بلکہ جمع و خرچ کے وہ تمام اعمال اس کے دائرہ کار میں شامل ہوں گے جن کے لیے بیت المال کا قیام عمل میں آتا ہے۔ چنانچہ بیت المال کے متعلق عام طور پر یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ ہر وہ مال جس کے تمام مسلمان مستحق ہوں اور اس کا کوئی امتنع مالک نہ ہو اس پر بیت المال کا حق قائم ہو جاتا ہے خواہ وہ اصلاً بیت المال کے خزانہ میں داخل کیا جائے یا نہ کیا جائے اسی طرح ہر وہ کام جس پر خرچ کرنا عام مسلمانوں کے مفاد میں ضروری ہے وہ بیت المال کے مفاد

ہندوستان میں بیت المال کا تصور

میں شمار کیا جائے گا خواہ وہ خرچ کی جانے والی رقم براہ راست بیت المال کے خزانہ سے نکلی گئی ہو یا نہ نکالی گئی ہو جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے۔

عہد سلطنت کی نسبت شاہان مغل کے زمانہ حکومت میں فقراء و مساکین اور مزدورین کی مالی امداد کے ضمن میں بیت المال کے حوالے بکثرت دستیاب ہیں۔ اورنگزیب مدارالہما اسد خاں کے نام ایک خط میں لاوارث مال کے سلسلہ میں ہدایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ غریب و مضفراء کے علاوہ اور کسی کو بیت المال میں کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اورنگزیب نے ۱۶۹۶ء میں قاضی ابوالفرح خاں کو احمد آباد کے صوبائی بیت المال کا امین (مکمل) مقرر کرتے ہوئے بیت جاری کی کہ ہر سال موسم سرما میں وہاں کے فقراء و مساکین میں پندرہ سو قبا اور پندرہ سو مکمل تقسیم کیے جائیں۔ بادشاہ نے اسی نوع کا حکم بالخصوص قیدیوں کے بارے میں صادر فرمایا کہ جاڑے کے موسم میں ہر غریب قیدی کو بیت المال سے موسم سرما میں ایک قبا، ایک سروال (شلوار) اور ایک ٹوپی فراہم کی جائے اور گرمی کے دنوں میں ایک چادر، ایک سروال اور ایک ٹوپی دی جائے۔ اور یہ ذکر کیا گیا کہ عہد زیر بحث میں اگر کوئی شخص بلا کوئی وارث چھوڑے انتقال کر جاتا تھا تو اس کا ترکہ بیت المال کی ملک قرار پاتا تھا اسی طرح اس دور میں یہ قانون بھی رائج تھا کہ اگر کسی متوفی کے اعزاء و اقرباء میں کوئی حیات نہ ہوتا تو مقامی قاضی اس کی تجہیز و تکفین کا نظم کرتا تھا اور اس کے اخراجات بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہاں بھی اس عام دستور کے علاوہ قیدیوں کے سلسلہ میں علیحدہ حکم جاری کیا گیا۔ اورنگزیب نے ۱۶۸۲ء میں یہ حکم صادر کیا کہ غریب خاندان کے قیدیوں میں سے اگر کوئی فوت کر جائے تو اس کی تجہیز و تکفین کے لیے بیت المال سے دو چادر اور پانچ ”مراوی تنکے“ فراہم کیا جائے۔

آج کے سماج میں غریب لڑکیوں کی شادی نے ایک اہم و سنگین مسئلہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اس کے حل کے لیے کچھ سرکاری و غیر سرکاری فلاحی ادارے اپنے اپنے طور پر کوشاں رہتے ہیں۔ عہد وسطیٰ میں بھی یہ مسئلہ موجود تھا اگرچہ آج جیسی سنگینی کی حد تک نہیں اس عہد کی مسلم حکومتوں نے اس جانب توجہ دی اور اس کے حل کے لیے اپنے وسائل کو استعمال کیا۔ بعض سلاطین کے دور میں اس اہم ضرورت کی تکمیل کے لیے مخصوص شعبہ کے قیام کا ذکر بھی ملتا ہے۔ عقیف کے بیان کے مطابق سلطان فیروز شاہ نے غریب لڑکیوں کی شادی

کے انتظام کے لیے ”دیوان خیرات“ کے نام سے ایک علیحدہ شعبہ قائم کیا تھا۔ غریب والدین اپنا نام اس شعبہ کے تحت درج کرتے تھے۔ ان کے حالات کی چھان بین کے بعد ان کی لڑکیوں کی شادی کے لیے اس شعبہ سے مالی امداد مہیا کی جاتی تھی اور اسی عہد کے ایک دوسرے ماخذ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ اس ادارہ سے غریب لڑکوں کی شادی کے لیے بھی وسائل فراہم کیے جاتے تھے۔ مشہور حکمران شاہجہاں (۱۶۲۸ - ۱۶۵۷) جو تخت و تاج کی شان و شوکت اور تفریق کارناموں کے لیے زیادہ معروف ہے نے بھی نادار لڑکیوں کی شادی کے لیے حکومت کے وسائل سے ساز و سامان اور نقد و زیورات کی فراہمی کا خصوصی اہتمام کیا۔ معاصر مورخ ابن قزوينی کے بقول کوئی ایسا دن نہیں گذرتا تھا کہ اس مد میں دربار شاہی سے ایک خط رقم نہ خرچ کی جاتی ہو۔ عام حالات کے علاوہ قحط یا کسی ناگہانی مصیبت کے شکار لوگوں کی اعانت اور آباد کاری بھی بیت المال کے اہم مصارف میں شامل ہے جس کی تفصیلات فقہی و تاریخی ماخذ میں ملتی ہیں اس بات کے واضح ثبوت دستیاب ہیں کہ عہد وسطیٰ میں ہندوستان کی مسلم حکومتیں جب اس نوع کے حالات سے دوچار ہوتی تو انھوں نے بھی اپنے وسائل سے مصیبت زدہ افراد کی مالی مدد فراہم کی سلطان محمد بن تغلق کے عہد میں جب ایک بار سخت قحط پڑا اور گرائی انتہا کو پہنچ گئی یہاں تک کہ عوام بد حالی کا شکار ہو گئے تو اس نے تقریباً چھ ماہ تک سرکاری گودام سے بلا کسی تفریق دہلی کے تمام لوگوں میں کھانے پینے کی چیزیں تقسیم کرنے کا اہتمام کیا۔ ابن بطوطہ کی تفصیلات کے مطابق سلطان کی ہدایت پر قاضیوں اور دوسرے افسروں نے پہلے محلہ وار قحط زدہ اشخاص کی فہرست تیار کی اور پھر ان میں سامان خورد و نوش کی تقسیم کا نظم مرتب کیا۔ عہد شاہجہانی کے مورخ عبدالحمید لاہوری کا بیان ہے کہ جب ۱۶۵۷ء میں خشک سالی کے سبب پنجاب میں غلہ کی سخت قلت پیدا ہوئی تو بادشاہ نے ”خزانہ خیرات“ سے دس ہزار روپے صدر الصدور کے حوالہ کیے کہ وہاں کے مصیبت زدہ لوگوں اور محتاجوں میں انھیں تقسیم کیا جائے۔

اس سے قبل یہ تفصیل سے واضح کیا جا چکا ہے کہ عہد مغلیہ میں بیت المال کے ذرائع آمدنی میں لاوارث اموال و ترکات کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے کہ یہ آمدنی رفاه عام کے کاموں بالخصوص مساجد، سرائیں، کنوئیں، تالابوں، نہروں اور پلوں کی تعمیر میں صرف کی جاتی تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ عہد وسطیٰ کے بعض ہندوستانی خدائی میں لاوارث ترکات کے مصارف میں خاص طور سے اسی نوع کے کاموں کو شامل کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں بیت المال کا تصور

جہاں گیر کے جاری کردہ بارہ مشہور ضوابط میں سے ایک یہ بھی تھا کہ لاوارث متوفی کی جائیداد حکومت کی تحویل میں لی جائے اور اس سے مسجدیں اور سرائیں تعمیر کی جائیں اور تالاب و کنوئیں کھودے جائیں۔ اورنگ زیب کے ایک حکمنامہ میں بھی اسی ضابطہ پر عمل آوری کی تاکید ملتی ہے کہ غیر موردِ اموال کو مساجد، تالاب اور پل کی تعمیر میں صرف کیا جائے تاکہ متوفی کی روح کو اس کا ثواب پہنچ سکے۔

یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ بیت المال سے فقراء و مساکین کی اعانت معذور و روبے سہارا کی کفالت، پریشان حال و مصیبت زدہ کی راحت رسانی یا اہل علم و فضل اور مذہبی لوگوں کے انعام و اکرام کی جو مثالیں ملتی ہیں وہ زیادہ تر مسلمانوں کی تخصیص کے بجائے عام انداز میں ذکر کی گئی ہیں۔ بلکہ بیت المال میں لوگوں کے اجتماعی حقوق کے اثبات کے ضمن میں بعض معاصر تادمین صاف صاف ”حق عباد“ و ”بندہائے خدا“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔^{۱۶۸} مزید برآں یہ محتاج بیان نہیں کہ بیت المال کے وسائل سے رفاہ عام کے جو کام انجام پاتے تھے اس سے مسلم و غیر مسلم سبھی فائدہ اٹھاتے تھے۔ اس سے قبل یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ مغلیہ حکومت علماء و فضلا اور دینی خدمات انجام دینے والوں کو نقد کے علاوہ آراضی کا عطیہ بھی دیتی تھی۔^{۱۶۹} اور یہ زیادہ تر موات و افتادہ زمینوں کی قبیل سے ہوتی تھیں جو اصولی طور پر بیت المال کی ملک تصور کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں بھی مسلم و غیر مسلم کے مابین کوئی تفریق نہیں برتی جاتی تھی۔ یہ ذکر یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اورنگ زیب کے عہد حکومت میں بعض ہندو خاندانوں کو بیت المال کی مملوکہ آراضی سے زمین کا عطیہ دیے جانے کا قطعی ثبوت ملتا ہے۔ اس نے ۱۶۸۷ء میں بنارس کے رام جیون گوسائیں اور اس کی اولاد کو (جو اپنی قوم کے لیے مذہبی خدمات میں مصروف رہتے تھے) گنگا کے کنارے مینی مادھو گھاٹ کے قریب آراضی بیت المال سے تقریباً چھ سو گز کا ایک قطعہ بطور انعام موروثی طور پر عطا کیا تھا۔ اس نوع کے شواہد سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح اس عہد میں بعض حالات میں غیر مسلموں کے مال و اسباب بیت المال کے املاک کا حصہ بنتے تھے اسی طرح بیت المال کے وسائل سے بھی ان کے مستحقین کو مستفید ہونے کا موقع ملتا تھا۔ یہاں یہ صراحت بے موقع نہ ہوگی کہ زکوٰۃ و صدقات کے مصارف میں غیر مسلموں کو شامل کیے جانے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس پر عام طور پر اتفاق ہے کہ صدقات واجبہ کے علاوہ بیت المال کے

دیگر وسائل سے جس طرح مسلمانوں کی ضروریات والبتہ میں اسی طرح غیر مسلمین کی حاجات بھی ان سے پوری کی جاسکتی ہیں۔ اس کے علاوہ خلافت راشدہ میں بیت المال سے ذمیوں کو مالی امداد دینے کی عملی مثالیں بھی ملتی ہیں۔

جہاں تک بیت المال کے وسائل سے حکومت کی انتظامی ضروریات کی تکمیل یا سرکاری عملہ کو مشاہرہ دینے کا سوال ہے تاریخی کتب اور سرکاری دستاویزات میں اس کا کوئی واضح بیان نہیں ملتا۔ اگر بیت المال یا اس کے مخصوص ذرائع آمدنی سے حکومت کے متعلقین میں سے کسی کو اس کی خدمت کا معاوضہ یا مشاہرہ دینے کا حوالہ دستیاب ہے تو یہ ان لوگوں کے ضمن میں جو قضا و افتاء، تعلیم و تدریس اور احساب و امامت جیسے مشاغل میں مصروف رہتے تھے۔ اس عہد کی مختلف فقہی تالیفات میں بھی اس مسئلہ پر واضح انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے مثال کے طور پر فتاویٰ فیروز شاہی کے ایک استفتاء کے جواب میں یہ مذکور ہے کہ قاضی، مفتی، معلم اور امام مسجد کو ان کی خدمات کے عوض بیت المال سے تنخواہ دی جاسکتی ہے۔ فتاویٰ غیاثیہ اور فتاویٰ عالمگیری کے مباحث سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر قاضی، مفتی اور امام وغیرہ کو بیت المال سے اس وجہ سے حق خدمت وصول کرنے کا جواز تھا کہ وہ دینی امور اور مذہبی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں مصروف رہتے تھے تو وہ علم، حکومت بھی بیت المال سے تنخواہ پانے کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے جو نظم و نسق کی مختلف ذمہ داریوں سے والبتہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ فوجی انتظام میں مصروف رہنا، شہر، محاصل کی ذمہ داریوں کو انجام دینا یا عام نظم و نسق کے کسی کام میں مشغول رہنا حکومت کی بہتر کارکردگی اور اس کے استحکام کا ذریعہ بنتا ہے اس لیے ان تمام مصروفیات کو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد میں سمجھنا اور ان سے تعلق رکھنے والوں کو بیت المال سے معاوضہ پانے کا مستحق قرار دینا کسی بھی صورت میں غلط نہ ہوگا۔ اس کا ایک واضح ثبوت اس امر سے فراہم کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی تاریخ کے اولین ادوار میں یہ نظم قائم تھا کہ ہر صوبہ کے بیت المال سے مقامی نظم و نسق کے اخراجات کی تکمیل کے بعد اگر کچھ رقم باقی بچتی تھی تو پھر اسے مرکزی بیت المال کو بھیجا جاتا تھا۔ مزید براں اگر بیت المال سے اس کے وسیع مفہوم میں ایسا مالی ادارہ مراد لیا جائے جو مسلم حکومت کے جملہ ذرائع آمدنی اور مصارف کا نگران و منتظم ہوتا ہے تو پھر اس بحث کی ضرورت بہت زیادہ باقی نہیں رہتی کہ حکومت کے عملہ اور کارپردازوں میں سے کون لوگ بیت المال سے مشاہرہ پانے کے مستحق ہوں گے

ہندوستان میں بیت المال کا تصور

اور کون نہیں۔ اس لیے کہ ایسی صورت میں حکومت کے جملہ متعلقین بیت المال کے مستحقین میں سے شمار ہوں گے۔

بیت المال سے متعلق ایک اور مسئلہ جو عہدِ وسطیٰ کے ہندوستانی علماء و فقہاء کے مابین بحث کا موضوع بنا لیکن اس وقت کی حکومتوں کی جانب سے اسے علمی طور پر برتنے کا کوئی واضح ثبوت نہیں مل سکا یہ ہے کہ اگر کسی وقت بیت المال کے وسائل عوام کی اجتماعی و معاشی ضروریات اور حکومت کے نظم و نسق کے اخراجات کی تکمیل کے لیے ناکافی ہوتے تو کیا حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ بیت المال کے وسائل میں اضافہ کے لیے عوام سے ہنگامی طور پر کچھ مال وصول کرے یا ان پر کوئی نیا محصول عائد کرے متعدد فقہاء نے قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہوئے واضح طور پر یہ رائے پیش کی ہے کہ معاشرہ کے محروم و محتاج افراد کی حاجت روائی اور اجتماعی ضروریات کی تکمیل کے لیے بیت المال کے معروف وسائل کفایت نہ کریں تو اسلامی ریاست کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اصحاب ثروت سے مزید مال حاصل کرے یا عوام پر بقدر استطاعت نیا محصول عائد کرے۔ ہندوستان میں مرتب کیے گئے فتاویٰ کے بعض مجموعوں میں اس مسئلہ کی وضاحت ملتی ہے اور اسی کے ساتھ اس بات کے دستاویزی ثبوت بھی فراہم ہوتے ہیں کہ یہ مسئلہ معاصر علماء کی مجلسوں میں باقاعدہ زیر بحث آیا اور اس پر کھل کر اظہار خیال کیا گیا۔ یہ علماء و فقہاء اس مسئلہ کی بابت اپنے موقف اور طرز استدلال میں فقہاء متقدمین سے کلی طور پر متفق نظر آتے ہیں۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان میں مسلم عہدِ حکومت میں بیت المال کا تصور نہ صرف زندہ تھا بلکہ اس کے وسائل اور مصارف کا باقاعدہ ایک نظم قائم تھا اگرچہ مختلف ادوار میں اس کی تفصیلات میں کچھ فرق بھی رونما ہوتا رہا۔ اس عہد میں بیت المال کی باضابطہ کارکردگی پر مزید ثبوت اس امر سے بھی ملتا ہے کہ اس کی حفاظت و نگرانی اور اس کے مشاغل کی تکمیل کے لیے متعدد عہدہ دار مقرر کیے جاتے تھے۔ اصولی طور پر خلیفہ وقت یا بادشاہ بیت المال کا امین و حقیقی متولی یا نگران اعلیٰ ہوتا تھا اور دیگر مشغول کے مثل اس باب میں بھی بادشاہ کی رائے ہی غالب ہوتی تھی۔ اس ادارہ سے متعلق بادشاہ کی تفویض کردہ ذمہ داریاں حکومت کے مختلف افسران انجام دیتے تھے۔ عام طور پر قاضی بیت المال کے کاموں کی نگرانی کرتا تھا اور بادشاہ کے بعد وہی بیت المال کا امین تصور

کیا جاتا تھا۔ لیکن بعض آخذ میں بیت المال کی دیکھ بھال میں قاضی کے ساتھ صدر کا بھی ذکر ملتا ہے۔ ایسے لیے بعض جدید اسکالرس کی رائے میں قاضی و صدر کا مشترکہ بورڈ بیت المال کی نگرانی کے فرائض انجام دیتا تھا۔ بیت المال کے افسر اعلیٰ کے لیے اس وقت ”امین بیت المال“ یا ”بیت المالچی“ کی اصطلاحیں رائج تھیں۔ بیت المال کے امین یا نگراں کے ماتحت جو کابینہ بیت المال کی مصروفیات کو جاری رکھتے تھے ان میں مشرف، داروغہ اور تحویل دار شامل تھے۔ بالخصوص لاوارث اموال اور قرق شدہ جائیداد کے حساب و کتاب اور ان کی ضبطی و نگرانی کے کام اکبر کے زمانہ میں مشرف و داروغہ اور بعد کے دور میں مشرف و تحویل دار انجام دیتے تھے۔ اول الذکر میں ان کا افسر اعلیٰ کو تو الہوتا تھا۔ اور موخر الذکر میں دیوان بیوتات ان کی سربراہی کرتا تھا۔ بیت المال کے حق میں کسی افسر حکومت کا ضبط کیا جانے والا مال و اسباب میریامان کی مہر اور دیوان صوبہ کی تصدیق کے بعد ہی اس کی تحویل میں لیا جاتا تھا۔ بیت المال میں کسی متعلقہ افسر کی خرید و بیع کے اطلاع ملنے پر اس واقعہ کی چھان بین کی جاتی تھی اور اس افسر سے مال منسوبہ کی وصولی کے لیے مخصوص عملہ متعین کیا جاتا تھا۔ صوبہ جات میں بھی بیت المال کے کام کاج کا اصل نگران قاضی ہوتا تھا اور وہ قاضی القضاۃ و صدر الصدور کے مشورے سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتا تھا۔ اگرچہ بیت المال کے وسائل و مصارف کے سلسلہ میں بادشاہ کی ہدایت مرکز کے علاوہ دوسرے علاقوں میں صوبائی حکومت کے ذریعہ ہی متعلقہ افسران تک پہنچائی جاتی تھیں اور نفاذ میں آتی تھیں لیکن صوبائی حکومت مقامی بیت المال کے کام کاج میں کوئی مداخلت نہیں کرتی تھی صوبائی بیت المال کے لیے امین یا نگراں کا تقریر براہ راست بادشاہ کے ذریعہ عمل میں آتا تھا۔ اور یہ اپنے کاموں کے لیے بادشاہ ہی کے سامنے جوابدہ ہوتا تھا۔ مزید پرانے بیت المال کی آمدنی یا خرچ سے متعلق کسی مسئلہ میں صوبائی بیت المال کے منظم اعلیٰ اور مقامی افسران میں اختلاف کی صورت میں شاہی دربار کو پورٹ بھیجی جاتی تھی اور اس مسئلہ میں آخری فیصلہ بادشاہ کی صوابدید پر منحصر ہوتا تھا۔

عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں بیت المال سے متعلق مذکورہ بالا شواہد اور ان کے تجزیاتی مطالعہ کی روشنی میں بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس عہد کی مسلم حکومتوں کے تحت بیت المال کی کارکردگی جاری رہی اگرچہ مختلف ادوار میں اس کی تفصیلات میں کچھ فرق ضرور پایا جاتا رہا ہے۔ اس عہد میں لفظ بیت المال کا استعمال اپنے وسیع مفہوم

میں ملتا ہے اور بعض اوقات محدود معنی میں بھی اس کی کارکردگی کی جو کچھ بھی تفصیلات ملتی ہیں ان سے یہ بخوبی عیاں ہوتا ہے کہ اس کا دائرہ کار محدود ہرگز نہیں تھا بلکہ اس عہد میں بھی اس کے وہ مختلف مشاغل باقی رہے جو اصلاً اس کے قیام سے مقصود ہوتے ہیں۔ اس سے نہ صرف اسلام میں بیت المال کی اہمیت و حیثیت مزید واضح ہوتی ہے بلکہ یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی ہے کہ اس کی معنویت و افادیت ہر دور میں باقی رہی ہے اور آج بھی علیٰ حالہ قائم ہے۔

حواشی و مراجع

- ۱۔ اس موضوع پر تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظریہ ملکیت، دہلی ۱۹۷۸ء، (گیارہواں باب - اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریاں) ص ۳۹-۴۰
- ۲۔ بیت المال کے مختلف النوع مشاغل پر مفصل بحث کے لیے دیکھئے راقم السطور کا مضمون "اسلامی ریاست میں بیت المال کی کارکردگی" سماجی تحقیقات اسلامی، ۶/۱ (جنوری - مارچ ۱۹۸۴ء) ص ۲۲-۲۴
- ۳۔ ڈاکٹر علی ابراہیم حسن، التاریخ الاسلامی العام، مکتبۃ النہضة، قاہرہ ۱۹۵۲ء، ص ۵۳۳
- ۴۔ ابوالحسن علی الماوردی، الاحکام السلطانیہ، مطبعة الحلبي، مصر، ۱۳۵۶ھ، ص ۲۳۵
- ۵۔ سر جاد فاطمہ سرکار، مغل ایڈمنسٹریشن، کلکتہ، ۱۹۶۲ء، ص ۱۱۸-۱۱۹
- ۶۔ عبدالحمید محمد غزنوی، دستورالاسباب فی علم الحساب روٹوگراف ۱۴۵۵ (مخطوط رضا لائبریری رام پور)
- ۷۔ ریسرچ لائبریری، شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ورق ۳۰ الف، فتوحات فیروز شاہی (مرتبہ شیخ عبدالرشید) علی گڑھ، ۱۹۵۵ء، ص ۶۔ سیرت فیروز شاہی، نقل (مخطوط اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ)
- ۸۔ یونیورسٹی کلشن (مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی) فارسیہ اخبار، ۱۱/۱۲، شرف بن محمد العطار فی فوائد فیروز شاہی، مخطوط، جواہر کلشن، ۹۸۷، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ورق ۶۲ الف
- ۹۔ قس مسراج عقیف، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۹۱ء، ص ۲۷۸-۲۷۹، فتوحات فیروز شاہی، ص ۶-۷
- ۱۰۔ منہاج السراج، طبقات ناصری، کابل، ۱۹۶۲ء،
- ۱۱۔ ضیا الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۹۲ء، ص ۲۹۲-۲۹۳
- ۱۲۔ فتوحات فیروز شاہی، ص ۶

- ۱۱۱ھ عین الدین ماہرو، انشا ماہرو (تصحیح پروفیسر عبدالرشید) لاہور، ۱۹۶۵ء، مکتوب ۱۱۳ ص ۳۲
- ۱۱۲ھ محمد علی کوئی، بیچ نامہ، حیدرآباد، ۱۹۳۹ء، ص ۱۸۴ - ۱۸۵ برنی ص ۲۹۰-۲۹۲
- ۱۱۳ھ منیار الدین برنی، فتاویٰ جہاں داری، ردو لوگراف، ۷۸ (مخطوطہ انڈیا آفیس ایتمہ ۲۵۱۳) ریسرچ لائبریری شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ورق ۱۲۰ الف
- ۱۱۴ھ فتوحات فیروز شاہی، ص ۶، سیرت فیروز شاہی، ص ۱۲۴، عقیف، ص ۲۸۳
- ۱۱۵ھ عقیف، ص ۲۸۳-۲۸۴ - ۲۸۵ بیچ نامہ، ص ۲۰۸-۲۰۹
- ۱۱۶ھ عقیف، ص ۲۸۴ - ۱۱۷ھ برنی، ص ۲۹۲ - ۱۱۸ھ برنی، ص ۵۴۴
- ۱۱۹ھ انشا ماہرو (منشور ۲) ص ۹ - ۱۲۰ھ عقیف، ص ۲۸۳ - ۱۲۱ھ بیچ نامہ ۲۱۹-۲۲۰
- ۱۲۲ھ فخر الدین تارنخ و خلدین مبارک شاہ (تصحیح سرٹونی سن راس) لندن، ۱۹۲۴ء، ص ۳۲-۳۳
- ۱۲۵ھ فخر دیر، آداب الحرب و الشجاعت (تصحیح احمد سہیلی خوالساری) تہران ایڈیشن ص ۴۰
- ۱۲۶ھ انشا ماہرو، محولہ بالا مکتوب، ص ۲۸، ص ۶۲
- ۱۲۷ھ سید محمد کوئی، سیر لاویا، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۶۲ - غلام علی آزاد بگلاری، ماثر الکرام، حیدرآباد ۱۹۱۳ء، ۱۲۱/۱
- ابوالفضل، آئین الہری، نوکثور، ۱۲۹۶ھ، ۲۰/۱
- ۱۲۸ھ فتوحات فیروز شاہی، ص ۶، سیرت فیروز شاہی، ص ۱۲۴، فوائد فیروز شاہی، ص ۲۲۶، الف و کاف
- وحید مرزا دیوان مطہر گڑھ، اورینٹل کالج میگزین (لاہور) ۳/۱۳ (مئی ۱۹۳۵ء) ص ۱۳ - مزید تفصیل کے لیے دیکھئے راقم الحروف کا مضمون ”عہد فیروز شاہی کا نظام محاصل شرعی قوانین کی روشنی میں“
- تحقیقات اسلامی ۳/۱ (جنوری - مارچ ۱۹۸۴ء) ص ۲۸-۴۲
- ۱۲۹ھ ملاحظہ کریں راقم کا مضمون ”آراہی مہند کی شرعی حیثیت عہد خلیہ کے علماء کی نظر میں“
- ماہنامہ برہان (دہلی) ۳/۹۲، ۶۰ (مارچ و جون ۱۹۸۴ء) ص ۴-۲۳، ۹-۲۲ -
- ۱۳۰ھ فتاویٰ غیاثیہ، بولان، ص ۱۹۹، ص ۴۵-۴۹، فتاویٰ فیروز شاہی، اوراق ۲۲۸ الف
- ۲۲۹ ب دستور الباب فی علم الحساب، ورق ۳۰ الف، فتوحات، ص ۶، سیرت فیروز شاہی
- ص ۱۲۴ فوائد فیروز شاہی، ۲۲۶ الف - ۱۳۱ھ فتاویٰ جہان داری، ورق والف
- ۱۳۲ھ عقیف، ص ۴۴۹ - ۱۳۳ھ فتاویٰ فیروز شاہی، ورق ۷۳ ب
- ۱۳۴ھ اس موضوع پر مفصل بحث کے لیے ملاحظہ کریں راقم الحروف کا انگریزی مضمون
- ”Zakat and its Connotation in Medieval India“ Islamic

Culture (Hyderabad) Vol 58, No. 3, July-Sep 1984 PP. 233-44

۳۵۵ اشلا ماہر، مکتوب ۲۶، ص ۶۰، نیز دیکھئے فتوحات فیروز شاہی، ص ۷، عقیف، ص ۴۹

۳۶۶ ابوالفضل، آئین اکبری، نوکلشور، ۱۲۹۶ھ، ۸/۱ ص ۸۰ سراج دوائتھ سکر، محول بالا، ص ۱۲۳

۳۸۸ بدایونی ۲/۳۹۰-۳۹۱ ص ۳۹۹ علی محمد خاں، مرآت احمدی، کلکتہ، ۱۹۳۵ء (ضمیمہ) ص ۱۶۸

۳۸۹ رقت عالمگیری، کانپور، ۱۲۴۳ھ، مکتوب ۸۲، ص ۲۳

۳۹۱ الیہ داس ناگر، فتوحات عالمگیری، رولو گراف ۱۲۷، ریسرچ لائبریری شعبہ تاریخ، مسلم

یونیورسٹی، علی گڑھ، اوراق ۷۲ الف ۷۲ ب، اب مرآت احمدی، ۲۹۶/۱-۲۹۷، ۲۹۷، ۳۰۴

باقی مستند خاں، مآثر عالمگیری ص ۱۷۷-۱۷۸، ۲۰۸، ۵۲۹، وقائع اجیر، نقل ۷۸-۷۹، ریسرچ

لائبریری، شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۳۰۵/۱، ۲، ۲۲۳، ۷۷۳

۳۹۲ حمید الدین خاں، احکام عالمگیری، کلکتہ، ۱۹۲۸ء، ص ۵۳-۵۴

۳۹۳ خافی خاں، منتخب اللباب، کلکتہ، ۱۸۹۰ء، ۲، ۲۲۹-۲۳۰، مرآت احمدی، ۲۵۸/۱، ۲۵۸

۳۹۴ دارالعلوم، رولو گراف ۱۸۵، ریسرچ لائبریری، شعبہ تاریخ، مسلم

یونیورسٹی، علی گڑھ، ۵۹ ب، ۷۰ الف

۳۹۵ مرآت احمدی، ۲۹۸/۱-۲۹۹، منتخب اللباب، ۲/۲۳۰

۳۹۶ معاصر مخدیں اصلاً زکوٰۃ یا محصول کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں لیکن اس سے مراد

عشور (کسٹم ڈیوٹی یا جنگی) ہے جیسا کہ اس سے قبل وضاحت کی جا چکی ہے۔

۳۹۷ الماوردی، محول بالا، ۲۳۵-۲۳۶ ابویوسف، کتاب الخراج، قاہرہ، ۱۳۰۲ھ،

ص ۷۸، فوائد فیروز شاہی، ورق ۲۴ الف، فتاویٰ عالمگیری، بیروت، ۱۹۸۰ء، ۱۰/۱۹۰-۱۹۱

۳۹۸ مرآت احمدی (ضمیمہ)، ص ۱۸۵

۳۹۹ فتاویٰ عالمگیری، ۴۰۲-۴۰۳، محمد بن عبدالرشید، السراجی فی المیراث، دیوبند، ۱۹۳۸ء

۴۰۰ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۹۶۸ء، ۲/۳۹۱

۴۰۱ ترک جہانگیری، علی گڑھ، ۱۹۶۳ء، ص ۷

۴۰۲ مرآت احمدی، کلکتہ، ۱۹۲۸ء، ۱/۲۶۷

۴۰۳ اس موضوع پر مفصل بحث کے لیے دیکھئے اقم السطور کا انگریزی مقالہ

"The Mughal System of Escheat and the Islamic Law of

"Inheritance" Islamic Culture (Hyderabad) Vol. 62 No. 4
Oct. 1988 (in Press)

۵۵۳ الشہ باد کوئٹہ (یونیورسٹی آف آرکائیو، الہ آباد) نقل ۵۳ (ریسرچ لائبریری، شہنشاہ)
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲/۵۳، ۵۵۔

۵۵۴ عہد مخدیں حکومت کی جانب سے اہل علم و فضل و بزرگان دین کو نقد انعام و وظیفہ کے علاوہ
زمین کا عطیہ دینے کا بھی رواج تھا۔ اس نوع کے عطیہ کو اس وقت کی اصطلاح میں "مردو عاٹ"
کہا جاتا تھا، یہ عطیہ معطل بہ کے علم و فضل کے اعتراف میں یا اس کے برکات کے حصول کے
لیے دیا جاتا تھا بعض اوقات اس کے ساتھ کوئی انتظامی خدمت بھی مشروط ہوتی تھی، تفصیل کے
لیے ملاحظہ کریں Rafat Bilgrami, Religious and Quasi-Religious Departments of the Mughal Period, Aligarh 1984-
pp. 59-98

۵۵۵ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حنفی مسلک کے مطابق ان علاقوں میں جہاں فتح بزور حاصل ہوئی ہو امام
(حکمران) کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہاں کی زمین کو غائبین میں تقسیم کر دے یا مناسب سمجھے تو سابق مالکین
کے قبضہ میں چھوڑ دے اور ان پر خراج عاید کرے۔ پہلی صورت میں زمین عشری ہوگی اور دوسری
صورت میں خراجی متصور کی جائے گی (امام ابو یوسف، کتاب الخراج قاہرہ، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴

مہندستان میں بیت المال کا تصور

۱۱۷۷ھ احمد یادگار، تاریخ شاہی، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۹۳۷ء، ص ۶۷، رزق اللہ شتاتی، واقعات شتاتی روٹوگراف ص ۳ (مخطوط برٹش میوزیم، آر ۱۹۲۹)، ریسرچ لائبریری، شہنشاہی تاریخ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ص ۶۷۔ ۱۱۷۸ھ عقیف، تاریخ فیروز شاہی، محمولہ بالا، ص ۴۴۔ مزید برآں فیروز شاہ نے اس محصول کو بھی بیت المال سے علیحدہ رکھا جو اس کی احیا کردہ زمین موت سے وصول ہوتا تھا (عقیف ص ۱۳۹-۱۴۰)

۱۱۷۹ھ وقائع الحیر، ۸۴/۱ ص ۷۶ وقائع الحیر، ۱/۱۷۹-۷۶ ص ۷۷ بدایونی، ۹۰/۱ نیز دیکھئے عصائی، فتوح السلاطین، مدارس ۱۹۷۸ء، ص ۱۵۶ ۱۵۶۹ برنی، ۲۹۳-۲۹۴ ص ۲۹۴ برنی، ۲۳۲ ص ۲۳۲ شیخ طائی، سیر النافین، مطبع احمدی دہلی، ۱۳۱۱ھ، ص ۷۸ نیز تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں شیخ محمد اکرام، آب کوثر، کراچی، ۱۹۵۲ء، ص ۲۵۲-۲۵۳ ۱۱۸۲ھ سیرت فیروز شاہی، ص ۱۲۲، فتوحات فیروز شاہی، ص ۶

۱۱۸۳ھ محمد صادق خاں، تواریخ شاہجہانی، نقل، ۷۷ (مخطوط برٹش میوزیم، آر ۱۷۴۱)، ریسرچ لائبریری، شہنشاہی تاریخ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ص ۱۴۸، ۱۴۸ ص ۱۴۸ رقعہات عالمگیری، مکتوب نمبر ۱۴۶، ص ۲۹، ۳۹

۱۱۸۷ھ رقعہات عالمگیری، مکتوب ۹۷، ص ۲۶ ۱۱۸۸ھ فتاویٰ فیروز شاہی، اوراق ۲۴۸ ب-۲۴۹ الف نیز ملاحظہ کریں فتاویٰ غیاثیہ، ص ۴۷ ۱۱۸۹ھ رقعہات عالمگیری، مکتوب ۱۴۷، ص ۳۹

۱۱۹۰ھ تاریخ قزلباش، قزلباشیہ، ص ۳۵ ۱۱۹۱ھ سبجان رائے، جغرافیہ، خلاصہ التواریخ، دہلی، ۱۹۱۸ء، ص ۱۹۷ ۱۱۹۲ھ شہاب الدین العمری، مسالک الابصار (انگریزی ترجمہ، الٹو بیس)، علی گڑھ

۱۱۹۳ھ، ۲۹ ص ۸۱ حوالہ مذکور، ص ۲۹ ۱۱۹۴ھ تاریخ فیروز شاہی، ص ۱۴۹-۱۵۰، ۳۹-۳۸

۱۱۹۵ھ عقیف، ص ۳۵۹-۳۶۰ ۱۱۹۶ھ عقیف، ص ۴۷۹ ۱۱۹۷ھ برنی، ص ۵۵۹ ۱۱۹۸ھ غیر المجالس (مرتب حمید قلندر)، تصحیح پروفیسر حفیق احمد نظامی، علی گڑھ، ص ۸۸، ۵۵۹ برنی، ص ۵۵۹

۱۱۹۹ھ عقیف، ص ۱۲۹-۱۳۰، ص ۴۴، عبداللہ بن تاریخ داؤدی، علی گڑھ، ۱۹۵۷ء، ص ۵۱-۵۰

۱۲۰۰ھ الماوردی، الاحکام السلطانیہ، محمولہ بالا، ص ۲۳۵-۲۳۶ ۱۲۰۱ھ رقعہات عالمگیری، مکتوب ۱۴۷، ص ۳۹

۱۲۰۲ھ مرات احمدی، ۳۳۸/۱ ص ۳۳۸ حوالہ مذکور، ۳۴۰/۱ ص ۳۴۰ حوالہ مذکور، ص ۳۵۰ حوالہ مذکور، ۳۵۱/۱ ص ۳۵۱

۱۲۰۳ھ عقیف، ص ۳۴۵-۳۵۱ ۱۲۰۴ھ سیرت فیروز شاہی، ص ۲۳۵-۲۳۶ ۱۲۰۵ھ قزوینی، شاہجہان نامہ،

نقل، ۱۵-۱۶ ص ۱۵ (مخطوط برٹش میوزیم، آر ۷۷)، ریسرچ لائبریری، شہنشاہی تاریخ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۳۱۹/۲

۱۲۰۶ھ جلالت بن بطوطہ، بیروت، ۱۹۶۷ء، ص ۷۷ ۱۲۰۷ھ عبدالعزیز لاہوری، بادشاہ نامہ، مکتبہ، ۱۹۶۵ء، ص ۴۴/۲، ۴۳

۱۲۰۸ھ فتاویٰ فیروز شاہی، ورق ۲۴۹ الف ۱۲۰۹ھ ترک جہانگیری، ص ۳۳ مرات احمدی، ۱۸۵/۱

۱۲۱۰ھ بدایونی، ۹۰/۱ رقعہات عالمگیری، مکتوب ۱۴۷، ص ۳۹ ۱۲۱۱ھ دیکھئے فٹ نوٹ ص ۵۷

۱۰ شامی، رد المحتار (باب المصروف) ۲/۶۹-۸۲۷، ہدایہ اولین، کتاب الزکوٰۃ، باب من یجوز دفع الصدقات
الیہ ویلا یجوز، ۱۸۸-۱۸۵، ابویوسف، کتاب الخراج، القاہرہ، ۱۵۲ھ، ج ۱، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ابوعبید
القاسم بن سلام، کتاب الاحوال (اردو ترجمہ، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد) ۱۶۸/۱-۶۹، یحییٰ ملاذری،
فتوح البلدان، بیروت، ۱۹۵۷ء، ص ۱۷۱، نیز دیکھئے علامہ شبلی نعمانی، الفاروق، معارف پریس انڈیا،
۱۹۵۷ء، ۲/۱۲۲-۱۲۳، ۱۸۱-۱۹۰، فخر دہلوی، خلاصۃ التواریخ، ص ۱۹۶، عقیف، ص ۱۸۱،
رقعات عالمگیری، مکتوب، ۱۰۷-۲۹، اخبار دربار، معنی، ۲۲/۱۹۲-۱۱۱، فتاویٰ فیروز شاہی، ورق
۷۰ الف، ۱۱۱، فتاویٰ غیاثیہ، ص ۳۹، فتاویٰ عالمگیری، ۱/۱۹۱-۱، نیز دیکھئے نظام الملک طوسی،
سیاست نامہ، تہران، ۱۹۳۷ء، ص ۳۸، ۱۱۲، محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، القاہرہ
۱۹۵۷ء، ۲/۲۲۲، ابن حزم، المحلی، ادارۃ الطباعت المنیریہ، مصر، ۱۲۴۹ھ، ج ۶/۱۵۴، فتاویٰ ابن تیمیہ
بیروت، ۱۳۹۲ھ، ۲۹/۱۸۵-۱۸۶، نیز اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے دیکھئے راقم نگار محفون
اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں اور مزیدہ حاصل کا مسئلہ۔ ایک فقہی تجزیہ، تحقیقات اسلامی (علی گڑھ) ۲/۲
(جولائی ستمبر ۱۹۸۲ء) ص ۶۵-۸۹۔

۱۱۳۰ قنواوی فیروز شاہی، اوراق، ۲۱۷ ب۔ ۲۱۸ الف
۱۱۳۱ الشاہ، مہر و، محمول بالا، ص ۶۸-۷۰، فقہ رفاقت عالمگیری، مکتوب، ۱۰۷، ۱۲۶، ص ۲۹-۳۰
۱۱۳۲ مرآت احمدی، ۱/۳۳۸، ۳۴۰، مرآت احمدی (ضمیمہ) ص ۱۸۵، وقائع حمیری، ۱/۶۶-۶۷، ۶۷، ۶۱۳
See for details Rofat Bilgrami, Religious and Quasi-Religious departments of the Mughal Period, Aligarh 1984, P.P.123-131
۱۱۳۳ توارخ شہنشاہانی، ص ۱۲۷-۱۲۸، مرآت احمدی، ۱/۳۳۸، ڈکشنری خواجہ ربیع، راولوگراٹ، ۲۳۱ (مخطوط پرنس پوزیم
ایڈ / ۷۶۰۳) ریسرچ لائبریری، شہید سائمن مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ورق ۸۹ ب، الزاماد ڈکٹمنٹ، ۵۳/۲، ۵۵
M.B. Ahmad, Administration of Justice in Medieval India ۱۱۳۴
Aligarh ۱۹۶۱/۱۹۶۲، ۳۹۰-۳۹۱، مرآت احمدی، ۱/۱۶۹، ۳۳۸، مرآت احمدی (ضمیمہ) ص ۱۸۵، آئین اکیبری
۱۹۸۱/۱۹۸۲، بایلوئی، ۲/۳۹۰-۳۹۱، فقہ ترک جہانگیری، ص ۱۱۳، مرآت احمدی (ضمیمہ) ص ۱۸۵، مرآت احمدی، ۱/۲۶۷
۱۱۳۵ مرآت احمدی (ضمیمہ) ص ۱۸۵، فقہ احکام عالمگیری، ۲/۵۲-۵۳، ۱۱۳۳، عبد الحمید لاہوری، محمول بالا، ۲۰/۶۷۲
۱۱۳۶ مرآت احمدی، ۱/۳۳۸، ۳۴۰، ۱۱۳۵، مرآت احمدی، ۱/۲۹۳، ۳۳۸، ۳۴۰، قزوینی، محمول بالا، ۲/۲۶۹
۱۱۳۷ مرآت احمدی (ضمیمہ) ص ۱۸۵، مرآت احمدی، ۱/۳۳۸، ۳۴۰، ۱۱۳۵، وقائع حمیری، ۱/۶۶-۶۷، ۶۷، ۶۱۳، ۶۱۵-۶۱۶